۴۸۶

اسلامی تہذیب

اور

قومی تعلیم

یعنی

وہ خطبہ جو ڈاکٹر سر پی سی۔ رائے نے جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ کے
دوسرے جلسہ تقسیم اسناد منعقدہ ۷ فروری ۱۹۲۳ء میں پڑھا

مترجمہ

مولوی محمد مسلم۔ ایم۔ اے
(رکن شعبۂ تصنیف و تالیف)

اردو اڈیشن

شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ ملیہ اسلامیہ نے
مطبع ملیہ علیگڑھ میں چھپوا کر شائع کیا



جناب صدر جامعہ، شیخ الجامعہ، خواتین اور حضرات!

سب سے پہلے آپ مجھے اجازت دیں کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں خطبہ دینے کی فرمائش کرکے آپ نے مجھے جتنی بڑی عزت دی ہے اُس کا دلی شکریہ ادا کروں۔ اگر میں کہوں کہ میری اس توقیر و تکریم نے مجھے بہت کچھ مرعوب کر رکھا ہے تو آپ اسے محض رسمی انکسار نہ خیال کریں۔ کیونکہ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کن خدمات کے صلہ میں مجھکو یہ سرفرازی بخشی گئی ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ جب آپ کی دعوت مجھے پہونچی تو میں نہایت متعجب ہوا کہ مجھ سا ایک سائنس کا طالب علم، بنگالی، ایک غیر مسلم اور غیر سیاسی شخص ایک ایسی اسلامی یونیورسٹی کی ایسی اہم تقریب پر خطبہ دینے کے لیے کیوں منتخب کیا جاتا ہے جو شمالی ہندوستان میں واقع ہو اور سیاسی جذبات کے جوش میں ظہور میں آئی ہو۔ غالباً میرے یہ سارے خیالات غلطی پر مبنی تھے۔ آپ نے عزت مجھے عطا فرمائی ہے وہ ان میں سے کسی سبب سے نہیں بلکہ میری اُن ناچیز خدمات کے صلہ میں ہے جو میں نے اِس ملک کی تعلیمی ترقی کے لیے کی ہیں۔ آپ نے ماہرین تعلیمات ہونے کی حیثیت سے جن کا اصل کام نوجوانانِ قوم کی تشکیل اور خدماتِ قومی کی تعلیم ہے مجھے انتخاب کیا ہے اور تعلیم ہی میں ہندوستان کی نجات کا راز مضمر ہے

بھرحال آپ کی اس غیر متوقع دعوت سے میری آنکھیں کھل سی گئیں۔ میرا یہ یقین ہوا اور مجھے اُمید ہے کہ میرے احباب اسے بیجا نہ کہینگے کہ مجھکو مخصوص فرقوں اور جماعتوں کی تعلیم گاہوں سے کوئی خاص رغبت نہیں کیونکہ اس خیال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ایسی تعلیم گاہیں اپنے تقاضائے طبع کے مطابق کہیں تعصب اور تنگ نظری کی حرکات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ایک غیر مسلم کی اس دعوت سے مجھے اس لیے اور زیادہ خوشی حاصل ہوئی کہ اس سے یونیورسٹی کے منتظمیں کی غیر متعصبانہ اور آزاد روش کا صاف پتہ مل گیا۔ اور جن بزرگ ہستیوں کے زیر سایہ اس تعلیم گاہ نے جنم لیا ہے ان سے واقعی ایسی ہی روش کی توقع بھی تھی۔ اس کے مقدس و محترم بانی مہاتما گاندھی اور مولانا محمد علی جن کے آگے ہم سب سرِ احترام خم کرتے ہیں اُن کے شایانِ شان بھی یہی روِیہ تھا۔ میں اس موقعہ پر صرف اس شدید غم و تاسف کے اظہار پر اکتفا کرتا ہوں کہ اُن کے حوصلہ بخش اور مبارک درود سے آج یہ بزم محروم ہے یقین ہے کہ تمام حاضرین اس احساس میں میرے شریک ہوں گے۔ وہ موجود ہوں یا نہوں میں دست بدعا ہوں کہ ان کی پیدا کردہ روح اس یونیورسٹی کی ہمیشہ رہنمائی کرتی رہے۔ بلند نظری، صداقت پرستی اور حبّ وطن جن کے نشہ سے قومیت ہند کو یہ ہمیشہ سرشار رہے، خدا کرے ہمارے آیندہ ترقی کے راستے میں بھی مشعل کا کام دیں۔ خدا اس دارالعلوم کو تعصب، فرقہ بندی اور جوش جماعتی کے تنگ

گوشہ میں محصور ہونے اور مذہبی تنگ دلی اور جاہلانہ جوش و خروش کی متعفن نالی میں تہ نشیں ہونے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

آپکے کارکنوں کے اس شریفانہ فیاضانہ اور آزادانہ طرز عمل ہی کے تیقن و توقع نے اتنی مسافت اور بیگانگی کے باوجود آپ کی اس دعوت کے قبول کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی میں نے آپ کی پکار پر اس بھروسے پر لبیک کہا کہ میرے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے گا جیسا بھائی بھائی کے ساتھ کیا کرتے ہیں دوستو! اگر میں اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر اپنی موجودہ ذمہ داریوں اور فرائض کے متعلق آپ سے اپنے دلی خیالات کا اظہار کردوں تو اُمید ہے کہ آپ اسکا بُرا نہ مانیں گے

روایات علیگڈھ علی گڑھ ایک مقدس مقام ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم کے پرامن زمانہ یعنی گذشتہ صدی کے ربع آخر سے لے کر اس طوفان خیز وقت تک جب کہ تمام قوم میں ایک عام ہیجان برپا ہے یہ مقام اسلامی تہذیب کا ایک زندہ اور زندگی بخش مرکز رہا ہے۔ علیگڑھ نے ہمارے مسلم اہل وطن کی دو سے زیادہ نسلوں کے بہترین ارباب علم کے دماغوں پر اپنے نقوش جما دئے ہیں اور ہم لوگ جو نسبتہً اجنبی ہیں علیگڈھ کے نام کو ہمیشہ سے وسعت نظر، جدت فکر اور ترقی ذہنی کا مرادف سمجھتے رہے ہیں جو تنگ نظری و تعصب سے مبرا ہو، جہاں کی صحیح القوی جست و چالاق، باہم متحد و متفق عملی زندگی مشین جیسی اوقات بندیوں اور طوطے جیسے امتحانوں کی بے مزہ جبری محنت شاقہ کے ہاتھوں گھٹ گھٹ کر فنا نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے عوض اُن طلبہ میں بلند ہمتی

وحبّ وطن کا وہ عمیق احساس ہوتا ہی جو اُن کو گوشہ نشیں راہب یا کتابوں کے کیڑے نہیں بلکہ حقیقی، جفاکش، زندہ و متحرک دنیادار آدمی بنادیتا ہی۔ ہم اس یونیورسٹی کو ہمیشہ ایک ایسا گہوارہ سمجھتے رہے ہیں جن میں سے پلکر آدمی نکلتے ہیں نہ کہ نوکری کے بھوکے محرّر۔ اور اِس لیے اس جدید سعی، اس جدید قومی یونیورسٹی نے وہ حیثیت قایم کی ہی جو قریب قریب ایک اسلامی "پیٹھ استھان" (دارالعلوم) کی حیثیت رکھتی ہی۔ اور ایک مہم عظیم اِس کے سامنے ہی۔ اسے علی گڑھ کی روایات کی بلندیوں تک پہنچنا اور اس سے بڑھکر نئے کارنامے دکھلانے کیلئے جدوجہد کرنا ہی۔ یہ وہ مہم ہی جو مجرّد اپنی عظمت و شان سے ہمارے دلوں کو حرکت دیکر مردانہ وار جرأت اور اعلیٰ کارناموں کی متقاضی ہی۔

قومی تعلیم کا نصب العین "اول آزادی، دوم آزادی، دائم آزادی یونیورسٹی کے وردِ زبان ہونا چاہیئے" یہ وہ مفتخر خیال ہی جسے ہند حاضر کے ایک بانی سر آسوتوش مکرجی نے مفتخر الفاظ میں ادا کیا ہی۔ آزادی سے ہماری مراد وہ محدود رسمی آزادی نہ ہونا چاہیے جس کا مفہوم یونیورسٹی کے اندرونی انتظامات میں کامل اختیار رہی بلکہ اس کے نہایت وسیع معنی لینا چاہیے اس سے زیادہ تر دل و دماغ، فکر و خیال، عقل و دانش اور ذہن و ذکا کی آزادی مراد ہونا چاہیئے جو تہذیب انسانی کی تاریخ میں سب سے زیادہ دشوار کمال رہا ہی۔ بڑے بڑے آدمیوں واقعات اور خیالات سب کو اسی معیار پر پورا اُترنا چاہیئے۔ اور ان کو عقل و تمیز کی مشعل عالم

افروز کے سامنے لاکر دیکھنا چاہیئے۔ اُس وقت اگر اُن میں کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی لغویت نظر آئے تو اُن کو کوڑے کے ڈھیر کی نذر کرنا چاہیئے۔ قرنہا قرن سے دماغ انسانی کی یہ آواز بار بار گلا دبانے کے باوجود بلند ہوتی چلی آئی ہے کہ "روشنی چاہیئے" اور اگر روشنی رکھنا منظور ہے تو اس آواز کو سننا اور ماننا ہوگا۔ اسی روشنی، اسی سچائی، اسی حقیقت کی طرف میلان اور جستجو کی بدولت انسان کو تقرب الٰی حاصل ہوتا ہے، اور اسی روشنی کا پھیلانا مشرق کا قابلِ فخر کام ہوگا "مشرق سے روشنی حاصل کرو" ایک مشہور فرانسیسی مقولہ ہے اور مشرق کو اسے ثابت کر دینا چاہیئے۔

یونیورسٹی کا یہی وہ پہلو اور تعلیم کا یہی وہ مقصد ہے جو سائنس کے پرانے طالب علم کی حیثیت سے مجھے سب سے زیادہ اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ تعصب، تنگ دلی اور تنگ نظری تمام تاریخ بنی نوع انسان میں انسانی ترقی کی سب سے بڑی دشمن رہی ہیں۔ اور شخصی اقتدار اور مرجہ عقائد کے مضر اور روح فرسا اثرات انسانی دماغ کی افسردگی و تعطل میں سب سے زیادہ شدید ثابت ہوئے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ تہذیب و تمدن کی خاطر سائنس کی سب سے بڑی، سب سے مفید اور سب سے مستقل خدمت تحکم و جبروت سے بغاوت، صداقت کی جستجو اور معقولیت کی ترغیب رہی ہے اور آج یہاں ایک سائنس داں کی حیثیت سے خطاب کرتے ہوئے میں آپ سے اس علم صداقت اور نشانِ حریت کو ہمیشہ بلند رکھنے کی پرزور درخواست کرونگا۔

اسلامی روایاتِ علمی اگرچہ میں وہ بات زبان سے نکال رہا ہوں جو ممکن ہے کہ تہدیدی الفاظ معلوم ہوں تاہم واقعہ یہ ہے کہ ان تبصروں سے میری مراد دوستانہ مشورہ کے سوا کچھ بھی نہیں اور میں اس معاملہ میں بالکل مرعوب نہیں بلکہ اس کے برخلاف مجھے کامل وثوق ہے کہ حق و صداقت، خالص تعلیم و تعلم اور آزادیِ افکار کی یہ قدر و منزلت اس یونیورسٹی کی ویسی ہی خصوصیتِ امتیازی ہوگی جیسی عہدِ ماضی میں ترقیِ اسلام کی تھی - میں روایاتِ اسلامیہ یعنی روایاتِ علمیہ سے واقف ہوں مسلمانوں نے سائنس علوم و فنون اور فلسفہ کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں میری آنکھوں کے سامنے ہیں - قرونِ وسطیٰ کے تیرہ و تار عہد میں جب کہ مسیحی دنیا بے معنی ارسطاطالیسی نزاعاتِ لفظی اور خدا کی ماں اور بیٹے کے متعلق لامتناہی منطقی مناظروں پر اپنی تمام قوتوں کے صرف کرنے پر قانع و مطمئن تھی، اُس وقت مسلمانوں نے جہاں افروز مشعلِ حق و صداقت روشن کرنے میں جو حصہ لیا ہے اسے یاد کرتا ہوں، بغداد و قاہرہ اور قرطبہ اور غرناطہ کے مناظر اپنی شان و شوکت اور جاہ و جلال کے نہ مٹنے والے آثار کے ساتھ میری چشمِ تصور میں پھر رہے ہیں - اگرچہ میں خود مسلمان نہیں لیکن اسلام نے علوم و فنون کے میدان میں جو بازی جیتی ہے اس کو سوچتا ہوں تو میرا ایشیائی دل فخر و مسرت سے پھول جاتا ہے - دوستو مجھے امید ہے کہ آپ معاف فرمائینگے اگر اپنے دلی جوش میں تاریخِ اسلام کے اس عہدِ زرین پر حسرت ارمان کے ساتھ تھوڑی دیر توقف کروں

اسلام کی علمی خدمات | جب یورپ کی دنیا بربریوں کے حملوں سے زوال
پذیر ہو کر ناگفتنی تاریکی کے گڑھے میں جا پڑی تھی، اگر اُس وقت اسلام کمک کو نہ پہنچتا
اور اعلیٰ علوم کی تخم ریزی کر کے اس کی پوری پرداخت نہ کرتا اور حق و حریت کی
جان بخش آب و ہوا میں ان کی تربیت کر کے انہیں پھولنے پھلنے نہ دیتا تو میں پوچھتا
ہوں کہ آج دنیا کہاں ہوتی اور تہذیب جدید کا نشان کہاں ملتا؟ - قرون وسطیٰ
میں مسلمان اہل علم، اہل سائنس اور فلاسفہ نے، مشرق، مصر، یونان، کا تمام
علم نہایت احتیاط کے ساتھ ضبط کر لیا بلکہ ان کی تہذیب و اصلاح کی، ان پر اضافہ
کیا اور ان کو ترتیب دیا - کوئی شخص گبن، سیڈیلٹ، لین پول، ڈریپر، سید امیر علی
اور اس عہد کے دوسرے مورخین کے فصیحانہ اوراق کو پڑھ کر مسلمانوں کی آزادیِ
خیالات، جدت تحقیقات و تنوع تفصیلات پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا
امید ہے کہ میرے احباب تاریخ اسلام کے اس روشن ورق پر کسی قدر زیادہ تفصیل
سے نظر کرنے کی اجازت دینگے :-

علم کی محبت اور حق کی حرمت اسلام کا اصل اصول ہی خود نبی عربی حق کی باہمت
طلب گار تھے سید امیر علی کہتے ہیں :-

علم و فن کے لیے رسول عربی کی دلدادگی انہیں کل معلمین حق میں ممتاز اور جدید دنیا کے
افکار سے نہایت قریب کر دیتی ہے فتح مکہ کے بعد مدینہ جو اسلام کی جمہوری خلافت
الٰہی کا صدر مقام تھا صرف گروہ در گروہ عربوں ہی کا نہیں بلکہ باہر کے طالبین

حق کا بھی مرکز کشش بن گیا یمن، شمال سے ایرانی، یونانی، شامی، عراقی، افریقی
اور رنگ رنگ اور نسل نسل کی مختلف اقوام یہاں جمع ہوگئیں بے شک کچھ لوگ اپنے
استعجاب و تحیر کی تسکین کے لیے بھی آتے تھے، مگر زیادہ علم کی طلب اور پیغمبر
اسلامؐ کے ملفوظات سننے آتے تھے۔ انہوں نے علم کی قدر وقیمت یوں جتائی:۔
"علم حاصل کرو کیونکہ جو خدا کی راہ میں تحصیل علم کرتا ہے وہ پرہیزگاری کا کام کرتا ہے
جو علم کا چرچا کرتا ہے اور جو اس کی جستجو کرتا ہے وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ جو علم سکھاتا ہے
صدقہ دیتا ہے اور جو اُن لوگوں کو تعلیم دیتا ہے جو اس کے اہل ہیں وہ خدا کی راہ میں
جاں نثاری کرتا ہے۔ علم عالم کو حلال و حرام کی تمیز بتاتا ہے، جنت کی راہ دکھاتا ہے
یہ بیابان میں ہمارا دوست، خلوت میں انجمن، بیکسی میں یار ہے۔ یہ ہمیں خوشی بخشتا
اور مصیبت میں مدد کرتا ہے۔ بزم احباب کی رونق، دشمنوں کے مقابلہ میں ہتیار ہے
علم سے خدا کا بندہ سب سے بڑی نیکی اور بلند مرتبے پر پہنچ جاتا ہے، اس عالم میں بادشاہوں
کا رفیق بناتا اور عقبیٰ میں انتہائی مسرت بخشتا ہے، آنحضرتؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ
عالم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے" اپنی متبعین پر بار بار
طلب علم "ولو کان بالصین" کی ضرورت جتاتے تھے "جو کوئی علم کی تلاش
میں وطن چھوڑتا ہے وہ خدا کی راہ چلتا ہے" "جو کوئی طلب علم میں سفر کرتا ہے خدا اسے
جنت کی راہ دکھاتا ہے"۔ خود قرآن حکیم علم و حکمت کی انتہائی قدر و منزلت کی
شہادت دیتا ہے۔

احکام اسلامی کے نزول تک نیا فی الواقع ایک عرب جزیرہ نما اور شمال وغرب اور شمال وشرق کے حوالی کے اندر محدود تھی اور کسی دماغی ترقی کے آثار ظاہر نہ تھے شاعری خطابت، اور نجوم وکہانت عرب جاہلیت کے مرغوب دلپسند فنون تھے جن کی تحصیل کی جاتی تھی۔ سائنس اور ادبیات کے فدائی موجود نہ تھے نبی عربی (روحنا فداہ) کے الفاظ نے اس قوم کے بیدار شدہ قویٰ میں نئی حرکت پیدا کر دی تھی۔ اُن کی زندگی ہی میں ایک تعلیم گاہ کی بنیاد پڑ چکی تھی جو آگے چل کر بغداد و سلرنو پل اور قاہرہ و قرطبہ میں یونیورسٹیاں بن گئیں۔ یہاں خود جناب رسالتمآب علیہ التحیات ایک روحانیت کی تحصیل پر یوں وعظ فرمایا کرتے تھے:-

"خالق کی صنعتوں پر ایک گھنٹہ کا صمیم قلب کے ساتھ غور وفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر"
"گھنٹہ بھر علم وفن کی باتیں سن لینا ہزار شہیدوں کے جنازوں کی شرکت سے زیادہ ثواب کا کام ہے بلکہ ہزار راتیں عبادتِ الٰہی میں گذارنے سے افضل ہے"

رسول کریم کے داماد حضرت علیؓ نے علوم وفنون کے اُن شعبوں پر متعدد وعظ فرمائے جو اس جمہوریہ کے عالم طفلی میں اُس کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھے۔ ان کے مقالات منقولہ سے چند یہ ہیں

"علم میں سربلندی سب سے بڑی عزت وافتخار ہے"
"جو شخص علم کے لیے زندگی وقف کر دے اُس کو کبھی موت نہیں آتی۔"
"فضل وکمال سب سے زیادہ قیمتی زیور ہے"

خود جناب رسالت مآبؐ اور اُن کے افضل التلامذہ کی زبان مبارک سے اس قسم کے کلمات کا نتیجہ حسب توقع یہ ہوا کہ لوگوں میں آزاد خیالی اور بلند نظری پیدا ہوگئی اور کل طبقوں علم کا ذوق و شوق عام ہوگیا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں عربوں کے جنگی تلاطم میں مبتلا رہنے کے باوجود آغاز اسلام کے دار الخلافہ (مدینہ) میں علوم و فنون کی طرف التفات میں کسی قسم کی کمی نہیں کی گئی تھی۔ علیؓ اور ابن عباسؓ شعر و سخن، صرف و نحو، تواریخ اور علوم ریاضی پر لکچر دیا کرتے تھے بعض انشا خطابت کی تعلیم دیتے تھے۔ کچھ لوگ خطاطی سکھلاتے تھے جو اُس زمانہ میں ایک بہا فن تھا۔

جب خود رسُولؐ کا اسوۂ حسنہ و تعلیم ایسی ہو تو بجا طور پر یہ توقع کیجا سکتی تھی کہ آگے چل کر اسلام کی مزید وسعت و ترقی علوم و فنون کے حق میں عظیم الشان تحریک ثابت ہوگی۔ اور فی الحقیقت ہوا بھی ایسا ہی۔ ایک عیسائی مصنف نے جس پر اسلامی کارناموں کے بیان میں جنبہ داری کا الزام کسی طرح عائد نہیں ہوسکتا اس تیار شدہ ذہنی خمیر کی یوں تصویر کھینچی۔

"عربوں نے سائنس اور فلسفہ کی قلمرو کو اُسی سرعت کے ساتھ فتح کرلیا جس طرح روماالکبریٰ کے علاقوں کو۔ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ایک صدی کے اندر اندر فلسفۂ یونان کی تمام تصانیف کو عربی زبان میں منتقل کرلیا۔

الیڈ اور اُڈیسی جیسی نظمیں جو مشرکانہ روایات کی وجہ سے خلافِ مذہب خیال کی گئیں تھیں شامی زبان میں ترجمہ کی گئیں تاکہ اہل علم ان سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔

ہدعباسی | المنصور نے اپنے عہد خلافت (۷۵۳ء - ۷۷۵ء) میں مقام حکومت
داد کو منتقل کرکے اُسے ایک شاندار دارالسلطنت بنالیا - وہ اپنا زیادہ وقت علم
یت کے مطالعہ اور ترقی میں صرف کیا کرتا تھا اُس نے طب اور فقہ کے مدرسے قائم
یے - ہارون رشید (۷۸۶ء) بھی اپنے دادا کے نقش قدم پر چلا - اور تمام ممالک
یہ حکم نافذ کردیا کہ ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی ملحق کردیا جائے - لیکن ایشیا ئ
م کی ترقی کا سب سے زیادہ منور زمانہ خلیفہ المامون (۸۱۳ء - ۸۳۳ء) کا عہد
فت ہے - اُس نے بغداد کو علوم کا مرکز بنادیا - بڑے بڑے کتب خانے قائم
یے اور عالم اسلام کے تمام بڑے بڑے عالموں کو اپنے گرد مجتمع کرلیا -

مامون کو جب یہ معلوم ہوا کہ زمین کی سطح مدور ہے تو اُس نے علم ہیئت اور
ریاضی کے ماہروں کو حکم دیا کہ دائرہ ارضی کے ایک درجے کی پیمائش کریں بحیرہ احمر
ساحل پر وادی شنار میں اصطرلاب کے ذریعے اُفق کے اُوپر قطب کا ارتفاع ایک
طول البلد کے دو مقامات پر پورا ایک درجہ منفصل پایا گیا - ان دونوں مقامات
صل پیمائش کیا گیا تو دو لاکھ کعب[1] ہاشمی ٹھیرا - اِس طرح تمام زمین کا محیط چوبیس
ر میل ہوا اور یہ حساب قریب قریب صحیح ہے - لیکن چونکہ اس قسم کی صرف ایک
ش سے مشکل کروی مستقل طور پر ثابت نہیں ہوسکتی تھی - خلیفہ نے عراق عرب میں کوفہ
یب دوسرے تجربہ کے لیے حکم دیا - علم الہیئت کے ماہرین کی دو جماعتیں بنادی گئیں
یک مقررہ نقطہ سے چل کر ہر ایک جماعت نے ایک درجے کا ایک قطع دائرہ،

---

[1] ایک کعب ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے جسے ایک ہاتھ کہتے ہیں - مترجم

عہد عباسی

المنصور نے اپنے عہد خلافت (۷۵۴ء-۷۷۵ء) میں مقام حکومت بغداد کو منتقل کر کے اُسے ایک شاندار دار السلطنت بنا لیا۔ وہ اپنا زیادہ وقت علم ہیئت کے مطالعہ اور ترقی میں صرف کیا کرتا تھا اُس نے طب اور فقہ کے مدرسے قایم کیے۔ ہارون رشید (۷۸۶ء-۸۰۹ء) بھی اپنے دادا کے نقش قدم پر چلا۔ اور تمام مملکت میں یہ حکم نافذ کر دیا کہ ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی ملحق کر دیا جائے۔ لیکن ایشیائی علوم کی ترقی کا سب سے زیادہ منور زمانہ خلیفہ المامون (۸۱۳ء-۸۳۳ء) کا عہد خلافت ہے۔ اُس نے بغداد کو علوم کا مرکز بنا دیا۔ بڑے بڑے کتب خانے قایم کیے اور عالم اسلام کے تمام بڑے بڑے عالموں کو اپنے گرد مجتمع کر لیا۔

مامون کو جب یہ معلوم ہوا کہ زمین کی سطح مدور ہے تو اُس نے علم ہیئت اور علم ریاضی کے ماہروں کو حکم دیا کہ دائرہ ارضی کے ایک درجے کی پیمائش کریں بحیرۂ احمر کے ساحل پر وادی شنار میں اصطرلاب کے ذریعے اُفق کے اُوپر قطب کا ارتفاع ایک ہی طول البلد کے دو مقامات پر پورا ایک درجہ منفصل پایا گیا۔ ان دونوں مقامات کا فیصلہ پیمائش کیا گیا تو دو لاکھ کعب[۱] ہاشمی ٹھیرا۔ اس طرح تمام زمین کا محیط چوبیس ہزار میل ہوا اور یہ حساب قریب قریب صحیح ہے۔ لیکن چونکہ اس قسم کی صرف ایک پیمائش سے شکل کروی مستقل طور پر ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ خلیفہ نے عراق عرب میں کوفہ کے قریب دوسرے تجربہ کے لیے حکم دیا۔ علم الہیئت کے ماہرین کی دو جماعتیں بنا دی گئیں اور ایک مقررہ نقطہ سے چل کر ہر ایک جماعت نے ایک درجے کا ایک قطع دائرہ،

---

[۱] ایک کعب ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے جسے ایک ہاتھ کہتے ہیں۔ مترجم

ایک نے شمال کی طرف اور دوسری نے جنوب کی طرف ناپا۔ اِس کا نتیجہ کعب میں نکالا گیا۔ اگر یہ کعب وہی ہو جو شامی کعب کے نام سے مشہور ہے تو تہائی میل کے اندر اِس کے ایک درجہ کا اصلی طول نکل آیا۔ ان پیمایشوں سے خلیفہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ کروی شکل ثابت ہو گئی۔

اس طرح جو علمی مذاق پیدا ہو گیا وہ اندرونی اختلافات کی بدولت حکومتِ اِسلام کے تین حصوں میں منقسم ہو جانے کے بعد بھی قایم رہا۔ ایشیا میں عباسی خاندان مصر میں فاطمی اور اسپین میں اموی۔ صرف سیاسیات میں باہم رقیب نہ تھے بلکہ علوم و فنون میں بھی۔

عربی طرز تحقیقات علوم میں عربوں نے ہر اُس چیز کو اختیار کیا اور ترقی دی جو دماغ کی نشو و نما اور بلندی کے لیے ضروری ہیں۔ بعد کو وہ فخر کیا کرتے تھے کہ اُنھوں نے اتنے شعرا پیدا کیے جو تمام اقوام مل کر نہ پیدا کر سکیں۔ سائنس میں اُن کا کمال یہ تھا کہ اُنھوں نے اُس کی تکمیل یورپ کے یونانیوں کے طرز پر نہیں بلکہ اسکندریہ کے یونانیوں کے طرز پر کی۔ اُنھوں نے محسوس کیا کہ سائنس کی ترقی محض ذہنی فکر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی ترقی کا راز قدرت کے عملی تفحص و تحقیق میں مضمر ہے۔ ان کے طریقہ کی خصوصیات امتیازی، تجربات اور مشاہدات ہیں۔ ہندسہ اور علوم ریاضی کو وہ لوگ آلاتِ تعقل کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ آلیات، علم موازنۃ السوائل اور علم مناظر پر اُن کی متعدد تصانیف میں یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ مسائل زیر بحث کا حل یا تجربوں سے

ہو جاتا ہی یا آلات کے ذریعہ شاہدات سے۔ اسی طریقے نے اُن کو میرے دل پسند موضوع علم الکیمیا کا اُستاد بنا دیا۔ اسی نے اُن کو آلات تقطیر، تصعید، تلیب، ترشیح وغیرہ کی ایجاد کا رستہ بتا دیا۔ اسی نے علم ہیئت میں آلہ مساعت، ارتفاع اور رصد طرلا وغیرہ آلات کی تیاری میں ان کی رہنمائی کی۔ علم الکیمیا میں میزان کا استعمال بتایا جس کے نظریہ سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اسی کی بدولت کشش نوعی اور نظام فلکی کے نقشے اسی طرح تیار کیے جس طرح بغداد، اسپین اور سمرقند کے۔ علم ہندسہ و علم مثلث میں ان کی ترقی، علم الجبر کی ایجاد، اور علم حساب میں ہندوستانی اعداد کے اختیار کرنے کا باعث یہی ہوا۔

فراہمی کتب عام کتب خانوں کے قیام اور توسیع کے لیے کتابیں جانفشانی کے ساتھ جمع کیجاتی تھیں چنانچہ بیان کیا جاتا ہی کہ خلیفہ المامون کئی سو اونٹوں پر قلمی نسخہ بغداد اُٹھوا لایا تھا۔ ایک عہدنامہ میں جو میکائیل سوم شاہ یونان سے کیا گیا تھا یہ شرط بھی تھی کہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں سے ایک کتب خانہ خلیفہ کی نذر کیا جائیگا۔ جو علمی خزانہ اس نے اس طرح مہیا کیا تھا اُس میں نظام فلکی پر بطلیموس کی ایک تصنیف بھی تھی۔ خلیفہ نے اس کا ترجمہ المجسطی کے نام سے عربی میں کرایا۔ جو کتابیں اس طرح جمع کیجاتی تھیں اُن کی تعداد بعض اوقات بہت بڑھ جاتی تھی۔ چنانچہ قاہرہ کے فاطمی کتب خانہ میں ایک لاکھ خوشخط لکھے ہوئے عمدہ اور مجلد نسخے موجود تھے اُن میں سے چھ ہزار پانسو کتابیں علم ہیئت اور طب پر تھیں اس کتب خانہ کے قوانین

روسے قاہرہ کے طالب علم کتابیں مستعار لے سکتے تھے۔ خلفاء اندلس کے عظیم الشان کتب خانہ کی تعداد آخر میں چھ لاکھ مجلدات تک پہونچ گئی تھی۔ صرف اُن کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی۔ اس کے علاوہ تمام اندلس میں ستر عام کتب خانہ تھے۔ افراد کے ملک خاص میں جو کتابیں تھیں بعض اوقات اُن کی تعداد نہایت کثیر ہوتی تھی۔ ایک طبیب نے سلطان بخارا کی دعوت اس لیے رد کردی تھی کہ اُس کی کتابوں کے لیجانے کے لیے چار سو اونٹ درکار تھے۔

سہولت تراجم و تالیفات ہر بڑے کتب خانے میں نقل اور ترجمہ کا ایک محکمہ ہوتا تھا۔ طبعزاد تصانیف کا یہ طریقہ تھا کہ کالجوں کے منتظمین اساتذہ سے مباحثِ معینہ پر کتابیں لکھنے کی درخواست کیجاتی تھی ہر خلیفہ کا ایک مخصوص مورخ ہوتا تھا۔ افسانوں اور داستانوں کی کتابوں شلاً الف لیلہ وغیرہ عربوں کی اختراعی و ابداعی مادے کی شہادت دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ، فقہ، سیاست، فلسفہ، سیرت (صرف نامور آدمیوں کی نہیں بلکہ مشہور گھوڑوں اور اونٹوں کی بھی) غرض کہ ہر قسم کے مباحث پر کتابیں ہوتی تھیں جو بے روک ٹوک پڑھنے کو دیجاتی تھیں اگرچہ زمانہ مابعد میں دینیات کی کتابوں کی اشاعت کے لیے اجازت نامہ کی قید لگا دی گئی تھی۔ حوالہ کی کتابیں۔ جغرافی، اعدادی تاریخی، لغوی پھران کی مختصرات و ملخصات جیسے محمد ابوعبداللہ کی دائرہ معارف علمیہ کثرت سے تھیں۔ کاغذ کی صفائی اور سفیدی میں مختلف رنگوں کی روشنائیوں کی باسلیقہ ترتیب، اختلاف طرف و زر کی

وغیرہ تکلفات سے سرورق کی زیبائش کی طرف بڑی توجہ کیجاتی تھی اور ان پر فخر کیا جاتا تھا۔

دارالعلوم | تمام قلمروِ اسلامی کالجوں سے معمور تھا۔ منگولیا تاتار، ایران، عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، مراکش، فاس، اسپین ان تمام ممالک میں بڑی بڑی درسگاہیں جاری تھیں اس وسیع خطے کے ایک سرے پر جو رقبہ میں سلطنت روم سے کہیں بڑا تھا سمرقند کا کالج اور رصدگاہ قائم تھی تو دوسری طرف جبرالٹر (اسپین) میں۔

امراء و سرپرستیِ علوم | گبن مسلمانوں کی اس علمی سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے

اس شاہی خصوصیت کے دعویدار صوبوں کے خود مختار امراء بھی تھے۔ اور اُن کے باہمی مقابلہ نے علوم و فنون کا مذاق اور اُن کی برکات کو سمرقند بخارا سے فاس اور قرطبہ تک وسیع کر دیا۔ ایک سلطان کے وزیر نے دو لاکھ اشرفیوں کی رقم بغداد میں ایک کالج بنانے کیلئے مخصوص کر دی تھی۔ جسے اس نے ۱۵ ہزار دینار سالانہ آمدنی کی ایک جائداد کے ساتھ وقف کر دیا تھا۔ ثمرۂ علم مختلف وقتوں میں شرفا کی اولاد سے لے کر بڑھئی اور لوہار کے بچوں تک ہر طبقہ کے لوگوں میں پہنچا ہوا تھا۔ نادار طلبہ کے لیے وظیفے مقرر تھے اساتذہ کی قابلیت اور محنت کا صلہ معقول تنخواہوں کی صورت میں ملا کرتا تھا۔ ہر شہر میں علوم عربیہ کی تصانیف طالبانِ علم کے ذوق و شوق اور امراء کی شانِ امارت کی بدولت نقل و جمع ہوتی تھیں۔

ان مدارس کی نگرانی نہایت فیاضی کے ساتھ بعض اوقات نسطوریوں اور بعض اوقات یہودیوں کے ذمہ کی جاتی تھی۔ کوئی آدمی خواہ کسی ملک میں پیدا ہوا ہو یا اُس کے معتقدات کیسے ہی ہوں اُس کی پروانہ کیجاتی تھی صرف اُس کے اکتسابات علمیہ ملحوظ رکھے جاتے تھے۔ خلیفہ المامون نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ :-

"جن لوگوں کی زندگیاں قوائے ذہینہ کی تربیت کے لیے وقف ہوں وہی میرے سب سے برگزیدہ اور کارآمد خادم ہیں معلمین حکمت دنیا کے اصلی نام آور او رمقننین ہیں اور دنیا ان کی مدد کے بغیر دوبارہ جہالت اور وحشت کے قعر میں گر جائے گی۔"

سائنس اور اسلام | قاہرہ کے طبیہ کالج کے نمونہ پر اور طبیہ کالجوں نے بھی اپنے طلبہ پر ایک سخت امتحان لازم کر دیا تھا جس میں کامیابی کے بعد امیدواروں کو طبابت شروع کرنیکا اختیار ہوتا تھا۔ یورپ میں جو پہلا طبیہ کالج کہلا وہ سلرنو واقع اٹلی میں بھی انہوں ہی کا قائم کیا ہوا تھا پہلی رصدگاہ سیویل واقع اسپین میں انہیں کی بنائی ہوئی تھی یہ ۱۱۹۶ء میں ابو موسیٰ جعفر ماہر ریاضی وکیمیا کی نگرانی میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس کا حشر کچھ کم عبرت انگیز نہیں۔ مسلمانان اسپین کے اخراج کے بعد اہل ہسپانیہ نے اسے گھنٹہ گھر بنا دیا۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ہے کیا بلا۔

اس موثر سائنٹیفک تحریک کے نتائج کو کامل طریقہ پر بیان کرنا ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہوگا۔ قدیم علوم و فنون میں بہت اضافے کیے گئے اور نئے علوم و فنون معرضِ وجود میں لائے گئے۔ ہندوستانی طرز حساب رائج کیا گیا جو ایک عمدہ

ایجاد کی اور تمام اعداد کو دس شکلوں میں ظاہر کرتا، پوری مقدار بتاتا، اپنے موضع اور موقع سے رقوم کا اظہار کرتا ہی اور ہر قسم کے شمار کے لیے آسان قاعدے مہیا کرتا ہی۔ جبر و مقابلہ یعنی لامتناہی مقادیر کے شمار کا یا ہر قسم کے مقادیر کے خواہ حسابی ہوں یا ہندسی باہمی تناسب کا پتہ لگانے کا طریقہ، ڈایوفنٹس کے بوئے ہوئے تخم سے تربیت دیا گیا۔ محمد بن موسیٰ نے معاملات درجہ دوم اور عمران بن ابراہیم نے معاملات درجہ سوم کا حل کیا۔ عربوں نے علم المثلث کا قدیم طرز بدلکر اُسے موجودہ شکل دی اور اُسے ایک علیحدہ فن بنا دیا۔ موسیٰ مذکور الصدر علم مثلث کروی پر ایک رسالہ کا مصنف تھا۔ البغدادی نے علم مساحت پر ایک ایسا نفیس رسالہ چھوڑا ہی کہ بعضوں نے اُسے اِس فن پر خود حکیم اقلیدس کی ایک گم شدہ تصنیف کا نسخہ بتایا ہی۔ علم ہیئت کی کتابوں میں اس نے صرف مرئی ستاروں کی فہرست ہی نہیں بلکہ نقشے بھی بنائے ہیں۔ اور ان میں سے بڑی جسامت والے ستاروں کے عربی نام رکھے ہیں جو اب تک ہمارے مدارس کے کرۂ ارض پر نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اونھوں نے سطح ارض پر ایک درجے کی پیمائش کے ذریعہ سے زمین کی جسامت کا پتہ لگایا محورِ ارض کی بیضاویت معلوم کی۔ چاند اور سورج کے نقشے صحیح کر کے شایع کیے۔ سال کا طول مقرر کیا۔ خطوط معدل النہار کی تعین کی۔ ایک اور عرب مصنف تبریزی کے ایک رسالہ علم نجوم کا ذکر لیپلیس نے نہایت احترام کے ساتھ کیا ہی۔ وہ ابن یونس منجم حکم خلیفہ مصر ۱۰۰۸ء کے

ایک اہم رسالہ کی طرف ہماری توجہ منعطف کرتا ہی جس میں خلیفہ منصور کے زمانہ سے مصنف کے وقت تک کسوف و خسوف، تقاطع خطوط معدل النہار راس السرطان اور راس الجدی۔ سیاروں کے قِران اور ثوابت کے خفا کے متعلق تمام مشاہدے درج ہیں جس سے نظام عالم کے تغیرات پر بہت زیادہ روشنی پڑتی ہی۔ عرب ماہرین ہیت نے آلات فلکی کی ساخت اور تکمیل پر اور دھوپ گھڑی پانی گھڑی وغیرہ مختلف قسم کی گھڑیوں کے ذریعے سے وقت کی پیمایش پر اپنی جد وجہد وقف کردی۔ اِس غرض کے لیے اونھوں نے پہلے پہل گھڑی کا لنگر ایجاد کیا۔

عملی سائنس میں اُنھوں نے علم الکیمیا کو خاص ترقی دی اُس کے بعض اہم ترین عوامل جیسے گندھک کا تیزاب، شورہ کا تیزاب، الکوہل ایجاد کیے۔ اُونھوں نے اس سائنس کا استعمال طب اور دواسازی میں کیا۔ علم الحرکات میں اجسام کے گرنے کے قوانین معلوم کیے اور مسئلہ کشش کے متعلق بھی وہ معلومات رکھتے تھے وہ کشش ثقل کے اصول کا واضح علم رکھتے تھے۔ وہ کھچی قوتوں کے نظریہ سے آشنا تھے۔ اُونھوں نے اجسام کی نوعی کششوں کا پہلا نقشہ بنایا اور اجسام کے پانی میں تیرنے اور ڈوبنے پر مضامین لکھے۔ علم المناظر میں اُونھوں نے اس یونانی غلطی کی تصحیح کی کہ شعاع آنکھوں سے نکل کر کسی شئے تک پہونچتی ہی اُونھوں نے اسکے مقابلہ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ شعاع چیزوں سے نکل کر آنکھوں تک آتی ہی وہ روشنی کے انعکاس و انتشار کے مسئلے کو بخوبی سمجھتے تھے

مصنفین اسلام | اس عہد کے مشاہیر مصنفین اسلامی کی طویل فہرست سے میں محض چند نہایت معروف نام پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مثلاً مشہور طبیب اور فلسفی ابن سینا یا ابن رشد قرطبی شارح ارسطو جس نے فلسفۂ یونان کی تعلیم دے کر اپنے عہد کے فلسفے میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ارسطو کی تعلیمات کو قرآن کریم کی تعلیمات سے منطبق کر دیا جائے۔ آفتاب کے داغوں کی تحقیق بھی اسی سے منسوب کی جاتی ہے۔ ابو موسیٰ جعفر کیمیائے جدید کا بانی تھا۔ اس کا نام صرف پرسٹلی اور لاوازیا کے ساتھ لیا جا سکتا ہے۔ ابو عثمان نے علم الحیوانات پر البیرونی نے جواہرات پر کتابیں لکھیں اور اسی غرض سے موخرالذکر نے ہندوستان کا سفر کیا۔ رازی، العباس اور البیطار نے علم نباتات پر تصنیفیں کیں۔ موخرالذکر نے تجربہ کے لیے دوائیں اور بوٹیاں حاصل کرنے کی غرض سے دنیا کے ہر گوشہ کی خاک چھانی نامور حکیم الغزالی اور عرب کا نیوٹن الحسن یہ دونوں تمام تاریخ عالم کے غیر فانی نفوس میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے ذہنی کارناموں کے اس شمار سے شاید آپ تھک گئے ہوں گے اگرچہ اب بھی یہ ناکافی ہی ہے لیکن اس مرقع کی دل کشی و سحر سے اپنے آپ کو جدا کرنا سخت دشوار ہے۔ بے شبہ یہ وہ مرقع ہے جس پر ہر قوم یا ہر ملک فخر کر سکتا ہے۔ تاہم ہم کو اپنے اسلاف کے ان درخشاں کارناموں کو دیکھ دیکھ کر خوش اور مطمئن نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ

یہ ہماری کمزوری اور مضحکہ انگیز قول ہوگا۔ بقول امرسن "ماضی پیا عماد نہ کرو ماضی غلام کے لیے ہی۔" ہم کو اُن کی مثال پیدا کرنا اور وہ ذوق و شوق اور حقیقت کی طلب چاہئے خواہ کہیں سے ہاتھ آئے اور بلا امتیاز ملک و قوم علم کا وہ پرجوش خیر مقدم کرنا چاہئے جس نے اسلام کو وہ کچھ بنا دیا جو بن گیا۔ انھیں اعلیٰ روایات کی بنا پر مجھے یقین ہوتا ہی کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اپنے جھنڈے کو صداقت و حریت کے نقش سے مزین کرے گا۔

جماعتی تنگ نظری ایک اور خطرہ ہی جو عموماً جماعتی یونیورسٹیوں کو لاحق ہوا کرتا ہی۔ ایک اور چٹان ہی جس سے ٹکرا کر ایسی تعلیم گاہیں غرقاب ہوسکتی ہی۔ اس سے میری مراد جماعتی تنگ نظری اور تخصیص و تفریق ہی جس کی طرف میں ابھی اشارہ کر چکا ہوں۔ اس مسئلہ کے متعلق بھی میں مایوسی کی طرف قطعاً مائل نہیں اور جہاں خطرہ موجود نہو وہاں خطرہ بتانا بھی نہیں چاہتا۔ اور بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ بزرگ ہستیاں جن کے نام نامی اس تعلیم گاہ کے ساتھ وابستہ ہیں یعنی مہاتما گاندھی اور مولانا محمد علی خود اس امر کے ضامن ہیں کہ ہندو مسلم برادرانہ اتحاد اس درس گاہ کا نفس ناطقہ رہیگا مجھے یقین ہی کہ مذہبی تفریق کا ناگوار جذبہ اس کی مقدس ہستی پر کبھی حملہ آور نہو گا اور اگر بے خبری کی حالت میں دبے پاؤں کبھی آ بھی گیا تو اس کو کبھی پناہ نہ ملیگی۔ تاہم جہاں کہیں اس بلا کا امکان ہو جتنی احتیاط کی جائے کم ہی اور اسی سبب میں اس مسئلہ پر کچھ نہیں کہنا چاہتا ہوں۔

متحدہ قومیت | موجودہ ہندوستان ایک متحد الملل قومیت رکھتا ہے۔ گو ایک غیر آدمی کہہ سکتا ہے کہ یہ غیر متجانس اقوام کا مجموعہ ہے۔ لیکن یہ مجموعہ اور زبردست ڈھانچہ مادرِ وطن کی مشترک وفاداری کے طلائی تاروں سے مضبوط بندھا ہوا ہے دوسرے عناصر سے، جن کی تعداد قلیل ہے، قطع نظر کرکے اس مجموعۂ اقوام میں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلم سب سے زیادہ اہم ہیں اگر یہ دونوں باہم متفق و متحد رہیں تو متحدہ ہندوستانی قومیت کا وجود قطعی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ باہم متحد نہ رہیں یہ ایک زبان زد مقولہ ہے اور بالکل صحیح ہے کہ "ہندو اور مسلم مادرِ ہند کے دو توام بچے ہیں بچے ہیں" یہ شاعرانہ تشبیہ حرف بحرف درست ہے۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے کچھ ہی اسباب کیوں نہ ہوں وہ سارے واقعات اب تاریخ قدیم کے اجزا بن چکے اب تو وہ اس سرزمین کے ویسے ہی فرزند اور اس ملک کے ویسے ہی باشندے ہیں جیسے ہندو، ہندو مسلم صدیوں سے اس ملک میں بھائی کی طرح رہتے چلے آئے ہیں۔ اُن کی زندگیاں۔ ان کے مفاد اور اُن خیالات باہم اتنے طریقوں سے مل جُل گئے ہیں کہ اُن کا انفصال ناممکن ہے اور آج مسلمانانِ ہندوستان کا یہ کہنا بعد از وقت ہے کہ ہندوستان مسلمانوں کی سوتیلی ماں ہے اور ان کی حقیقی اغراض حقیقی تعلقات اور حقیقی وفاداری اور ملک سے وابستہ ہیں۔ اسی منطق سے "ولیم فاتح" کی اولاد یعنی انگلستان کے موجودہ باشندے اپنی وفاداری فرانس کو منتقل کر سکتے ہیں اور اسی منطق کی رو سے یہ کہنا کہ ہندو آرین قوم کی اولاد ہونے کی حیثیت سے

وسط ایشیا کو ہجرت کر سکتی ہیں کس قدر مضحکہ انگیز خیال ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ مسلمانانِ ہندوستان میں آکر صرف بس گئے ہیں اور انھوں نے کچھ کیا نہیں، بلکہ اس کے برخلاف انھوں نے یہاں کے فنونِ لطیفہ، ادب اور فن ملک داری میں بیش بہا اضافے کیے ہیں۔ ہندوستان کی تہذیب و تمدن کی پیچ در پیچ لچھی میں رنگ رنگ کے جو بیت دھاگے نظر آتے ہیں وہ ذہانتِ اسلامی ہی کا نتیجہ ہیں عروس ہند کو مسلمانوں نے جو لباس زر تار پہنایا ہے اگر اُتار لیا جائے تو وہ کیسی حقیر لاغر اندام نظر آنے لگے۔ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں ہمارے خیال میں اس پر زیادہ گفتگو بیسود ہے۔ ایک قطب مینار ایک تاج محل ہمارے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اور یہ ہندو مسلم اتحاد کوئی کل کی بات نہیں۔ یہ اغیار کی مشترک آتشِ نفرت کی حرارت نہیں، جیسا کہ یورپی لوگ چرب زبانی سے ہمیشہ کہا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ اتحاد زمانۂ دراز سے چلا آ رہا ہے اور مستقل بالذات ہے اس کا وجود مغلوں سے بیشتر پٹھانوں کے عہد میں بھی نظر آتا ہے۔

اسلامی طرزِ حکومت ہندوستان میں ترقی اسلام کی تاریخ ہندو مسلم اتحادِ باہمی کی تاریخ ہے۔ مسلمان سلاطین ہند کے بعض سب سے بڑے جنرل، سب سے بڑے دیوان سب سے بڑے وزیر ہندو رہے۔ یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ جو چیز اصولاً جائز قرار دی جائے عملاً اس کی اجازت نہ ہو۔ ہندوستان میں انگریزوں کی ڈیڑھ صدی کی حکمرانی کے بعد ہم فرط مسرت سے بیخود ہو جاتے ہیں۔ کس بات پر؟ صرف اس لیے کہ ایک لارڈ سنہا کو ایک صوبہ کی گدی دی گئی لیکن مسلمانوں کے عہد میں بڑے ایسے کتنے سنہا جو نت سنہا

بے شمار مشتے نمونہ از خروارے) اس سے کہیں زیادہ رفیع اور وقیع عہدوں پر مامور کیے گئے۔ اہل یورپ کو مسلمانوں کے بدنام کرنے کا خوب طریقہ معلوم ہے وہ محمد تغلق اور علاؤالدین خلجی جیسے کسی ایک متعصب بادشاہ کو لے لیتے ہیں اور ڈنکا بجاتے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کے ساتھ وحشیانہ مظالم کا برتاؤ کیا ہے۔ اگر ہم ہندوستان میں مسلمانوں کی رواداری اور بے تعصبی کا اسی زمانہ کی یورپ کی رواداری سے مقابلہ کریں تو ہم پر اصلی حقیقت منکشف ہو جائیگی۔ میں یہ باتیں مسلمان حاضرین کے خوش کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ میری قطعی رائے ہے اور آج سے تقریباً ۴۰ برس پیشتر اسوقت بھی تھی جبکہ میں اڈنبرا میں طالب علم تھا ایک رسالہ مسمی "ہندوستان غدر سے پہلے اور بعد" میں لکھا تھا[1]۔ یہ بھلا دیا جاتا ہے کہ جب انگلستان کی ایک ملکہ اپنی رعایا کو بعض دقیق مذہبی اختلافات کی بنا پر آگ میں جھونکتی اور یہ تیرہ و تار تہخانوں میں ڈال رہی تھی اکبر اُس وقت ہندوستان میں عام رواداری کے اصول کی تبلیغ کر رہا تھا اور مولویوں، پنڈتوں اور یہودی مسیحی پادریوں کو اپنے دربار میں دعوت دے کر اُن سے اُن کے مذاہب مختلفہ کے حسن و قبح پر فلسفیانہ مباحثے کر رہا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اکبر کی حالت مستثنیٰ ہے اس لیے وہ عام مغلوں کا نمونہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے؟ مذہبی رواداری جو دوراندیشی اور فیاضی دونوں پر مبنی تھی شاہانہ مغلیہ کا اصولِ حکومت تھا نہ کہ کوئی استثنا۔

ہندوؤں کے ساتھ اورنگ زیب کی متہمہ تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر

---

[1] ڈاکٹر صاحب ذیل کی عبارت اپنے ہنگام طالب علمی کی ایک قدیم تصنیف سے پڑھکر سنا

دفتر کے دفتر سیاہ کروائے گئے ہیں لیکن اُس کے عہد حکومت میں بقول مورخ الفنسٹن ایسا کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ کسی ایک ہندو نے بھی مذہب کی خاطر سزائے جان و مال یا قید برداشت کی ہو یا کسی شخص سے اُوس کے آبائی طریق پر کھلم کھلا پرستش کے لیے باز پُرس کی گئی ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس متعصب شہنشاہ کے سب سے معتمد جنرل جسونت سنگھ اور جے سنگھ تھے۔ مزید مثالوں کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آج بیسویں صدی کی آزادانہ رواداری کے مقابلہ میں مسلمانوں کے دامن شہرت پر داغ لگانا آسان ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس عہد کی مسیحیت کی تاریخ کیا پیش کرتی ہے۔ مذہبی عدالتوں کی ہیبت ناکیاں، البیجنسیس[۱] کا قتل عام اولیور کرامویل کی ڈروگڈا مقام میں قصابانہ خونریزی۔ اسی کرامویل کو ملٹن یوں خطاب کرتا ہے۔ "اے کرامویل، اے انسانوں کے سرکردہ" واہ میرے یورپین دوستو! مسلمانوں کے مچھر کو کیوں چھانتے ہو جب کہ تم مسیحی اونٹ صاف نگل جا سکتے ہو۔

شیر شاہ پٹھان تھا ہندوؤں کے ساتھ اُس نے جو سلوک کیے اُن کو دیکھو اس کا محکمہ رفاہِ عام کافی مشہور ہے اور میری تعریف و توصیف کا محتاج نہیں لیکن یہ بات شاید عام طور پر معلوم نہ ہو کہ اُس نے جو بے شمار سرائیں اور مسافر خانے اپنی سڑکوں پر بنوائے تھے۔ اُن میں بڑے پیمانہ پر انتظام تھا کہ ہندوؤں کو ہندوؤں ہی کے ہاتھ سے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے کھانا ملے تاکہ کسی کے مذہبی احساس کو صدمہ نہ پہونچے۔ شیر شاہ کے متعلق دو انگریز مورخین کی رائیں

---

[۱] فرانس میں بارہویں صدی میں مصلحوں کی ایک جماعت تھی۔ مترجم

نقل کرنا کافی ہوگا۔ مسٹر ڈبلیو کروکس لکھتے ہیں "کہ شیر شاہ پہلا شخص تھا جس نے ایک سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی جو رعایا کی مرضی پر مبنی ہو" مسٹر کین نے لکھا ہے کہ "کسی حکومت حتیٰ کہ برطانیہ نے بھی اس پٹھان کی سی دانشمندی کا اظہار نہیں کیا"
سلاطین مغلیہ کے جانشینوں کے متعلق میرے خیال میں ریناں کی رائے نقل کر دینا کافی ہوگا۔ مصنف مذکور سلاطین انطونین کے عہد کے متعلق رائے زنی کرتا ہے کہ "ھیڈرین انیٹونیس پائس اور مارکس اوریلیس جیسے رعایا پرور سلاطین کا باہم سلسلہ مغلوں کی تاریخ کے سوا اور کہیں نہیں ملیگا جس میں بابر، ہمایوں اور اکبر جیسے شاہنشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ قوم کی احسان مندی و وفاداری نے اکبر کو اعظم کا غیر فانی لقب بخشا۔ یہ لقب صرف ایک اور ہندوستانی راجہ اشوک کے سوا کسی کو نہ ملا۔

ہندو مسلم اتحاد یہ ہندو مسلم اتحاد، ہندوستان کی دو زبردست قوموں کے خیالات، جذبات اور روایات میں باہمی یگانگی محض سیاسیات ہی تک محدود نہیں رہی ہے بلکہ یہ ہمارے جسم معاشرت کی رگ رگ میں پہونچ چکی ہے اور مختلف تمدنی و مذہبی تحریک کا باعث ہوئی۔ گرونانک، کبیر، چیتنیہ یہ سب ایک ایک مذہبی تحریک کے بانی تھے جو ان قوموں کی تہذیب و تمدن کے اجتماع کا نتیجہ تھی۔ شاید آپ کو تعجب ہو جب آپ یہ سنیں کہ بنگال کے مسلمان فرماں روا حسین شاہ شعرائے بنگال میں سب سے زیادہ مشہور شاعر ودیاپتی وشنو نے اس طرح خطاب کیا ہے "اے پانچ دیوتاؤں کے ندا، تو غیر فانی رہیو" لیکن سب زمانہ کی نشانی تھی۔ ہندوؤں کے ہزارہا برس کے ذات پات کے رواج کو

توڑنے اور ہندو سوسائٹی میں بے تعصبی و روشن خیالی کا جذبہ پیدا کرنے میں اسلامی جمہوریت نے بہت مدد دی ہے۔ اور بنگال کی وشنو تحریک تو اسی انقلاب کا نتیجہ تھی۔ آج تک اس کا یہ اثر ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مزاروں اور پیروں کی درگاہوں کی زیارت میں تامل نہیں کرتے۔ اُن کو اپنے مقدس مقامات سمجھتے اور اُن کی زیارت کے لیے سفر کرتے ہیں۔ مسلمان ہندوؤں کے تیوہاروں اور تقریبات میں شرکت سے اجتناب نہیں کرتے اور یہ لوگ ہندوؤں کے عبادات کا ایک خوش گوار جزو ہیں۔

یہ بھائی چارہ اور اتحاد باہمی اتنے عرصہ دراز تک ہماری معاشرت کا نمایاں پہلو رہا ہے کہ اب یہ ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے اس لیے ہمیں سخت رنج ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض افراد یا گروہ اپنے مخصوص اغراض کے لیے نفاق کا بیج بونے اور حسد و عداوت کی کوئی چنگاری کہیں مل جاتی ہے تو اُسے ہوا دینے اور بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بالخصوص اُس وقت زیادہ ملال ہوتا ہے جب مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے مفاد ہندوؤں سے اگر بالکل متضاد نہیں تو مختلف ضرور ہیں اور تمہارا حقیقی تعلق ہندوستان سے نہیں بلکہ تمہارے فرائض اور حقوق باہر سے وابستہ ہیں میں اس پر زیادہ زور کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں میرے خیال میں یہ رویہ در وطن کے ساتھ غداری ہے۔ ہندوستان نہ تو مسلمانوں کی سوتیلی ماں ہے اور نہ ہندوؤں کی اس لیے اطاعت کی یہ تقسیم وہ گوارہ نہیں کرسکتی۔ اور مسلمانوں سے اُسی کامل غیر مشروط و غیر منقسم وفاداری کا مطالبہ کرتی ہے جیسے اپنے اور بچوں سے۔ ہندوستان کی فلاح

وبہبود ہماری اول ہماری دوم ہماری آخری فکر ہونی چاہیئے۔ ہم سب ہندی پہلے ہیں اور ہندو، مسلم، عیسائی، سکھ، پارسی، پیچھے۔ مشہور فرانسیسی مدبر رشیلیو کی مثال آپ کو یاد ہو گی جس نے اسقف اعظم کا تاج سر پر رکھنے کے باوجود فرانس کے ملکی، مفاد کو ہمیشہ قوم کے (مذہبی) حقوق پر مقدم رکھا۔ یہی پہلو مناسب اور اختیار کرنے کے لایق ہی۔ میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں کہ اتحاد اسلامی کی شاندار تحریک ایشیا کی بیداری کے لیے ایک شگون نیک ہی مجھے معلوم ہی کہ خلیفۂ وقت کی وہ روحانی دعوت جس پر تمام دنیا کے ہر طبقے کے مسلمان اکٹھے ہو جائیں کسقدر مقدس اور اہم چیز ہی۔ مگر ان تمام حقوق کو ان کے اصلی رنگوں میں اور علیحدہ علیحدہ نظروں سے دیکھنا چاہیئے مادر ہند اپنی قربانی کی جس آواز سے اپنے بیٹوں کو آزادانہ خود مختارانہ اور قومی زندگی کی دعوت دے رہی ہی وہ کہیں دب کر رہ نہ جائے ہماری مادر ہند کی وفاداری کسی غیر ملکی جوش حب ملت کی رو سے بہ نہ جائے۔ ہندوستان کو خلافت کی گاڑی کا پہیہ نہ بننا چاہیئے۔ جو استنبول کے اشاروں پر چلتی ہو۔ سوراج ہمارا سب سے ضروری واحد مقصد ہونا چاہیئے۔ اور تمام دوسری چیزوں کو اپنے اپنے مناسب محل پر رکھنا چاہیئے۔

مجھے یقین ہی کہ ہمارے سربرآوردہ مسلمان لیڈروں میں سے کوئی بھی اس غلطی کا مرتکب نہ ہو گا میں جانتا ہوں کہ مادر وطن کے ویسے ہی حقیقی فرزند جیسے کوئی بڑے سے بڑا محب وطن ہند ہیں ان سے یہ گذارش کرونگا کہ یہ خیال رکھے کہ مسلم

جماعت میں اُخوت اور حبِ وطن کا جذبہ جاری وساری رہے۔ یہی وہ پیام محبت ہے جس کی تبلیغ واشاعت اس قومی یونیورسٹی کا فرض عظیم ہے۔ اس کو تمام ہندوستان کے سامنے قومی برادری کا نمونہ بننا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ بانیوں کے نصب العین کی یہ تکمیل ان کے دلوں کو نہایت مسرور کرے گی جن کے لیے ہندو مسلم اتحاد بمنزلۂ ایمان کے ہے مجھے خوشی ہے کہ ابتدا بہت اچھی ہے اس سلسلے میں جو کارروائیاں اس یونیورسٹی نے کی ہیں وہ بہت ہمت افزا ہیں۔ چنانچہ یہاں یہ بتانا کافی ہوگا کہ یہاں کے طلبہ میں بہت سے ہندو بھی ہیں اور اساتذہ کی فہرست میں بھی متعدد ہندو اصحاب کے نام موجود ہیں ہندو طلبہ کی مذہبی تعلیم کے لیے بھی خاص انتظام ہے اور کئی خالص ہندو مدارس اس سے ملحق ہیں۔ خدا کرے کہ یہ برادرانہ جذبہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

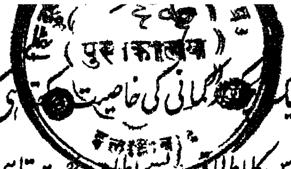
قومی تعلیم

ہندوستان جدید اور قومی تعلیم میرے معزز احباب! آج کل ہم اپنے قومی مہمات کے ایک نازک دور سے گذر رہے ہیں۔ اور یہ نزاکت تمام عالم کے حالات حاضرہ کے لحاظ سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب کہ مسٹر لائڈ جارج نے ایک موقع پر کہا ہے ہم صدیوں کی راہ برسوں میں طے کر رہے ہیں۔ عالم گیر اقیمت رکھنے والے دقیق مسائل کا تصفیہ باقی ہے۔ قدیم سلطنتیں جن کی قدامت نے انہیں تاریخی تقدس دے رکھا تھا منہدم ہو کر پاش پاش ہوگئیں اور ان کے کھنڈروں سے ہر طرف نئی نئی طاقتیں اور جمہوری حکومتیں تعمیر ہوگئیں۔ دنیا کا نقشہ

نئے سر سے تیار ہوا ہے۔ ہمارے افکار و معاشرتی و سیاسی نصب العین پر بھی ان عظیم الشان واقعات کا گہرا اثر پڑا ہے۔ سیاست مُدن اور اصول ملکداری کے متعلق قدیم خیالات نیا جنم لے رہے ہیں۔ اولاد پر والدین کے، رعایا پر حکمرانوں کے، خادموں پر آقاؤں کے عام مسلمہ حقوق کو سخت صدمہ پہنچا ہے یہ کہنا محض تصنُّع ہوگا کہ افکار و حوادث کے اس عام زلزلے میں ہم بت کی طرح غیر متاثر و غیر متحرک کھڑے تماشا دیکھ سکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ ہم غیر متحرک کھڑے نہیں رہے۔ پچھلے بیس سال میں زمانہ کے شدید اثرات کے تقاضے سے ہندوستان کی تاریخ قومی انقلاب کی تاریخ رہی ہے۔ بیسویں صدی کی بسم اللہ جنگ ٹرانسوال سے ہوئی۔ اس سے زیادہ زبردست اور اہم زور آزمائی روسیوں اور جاپانیوں کے درمیان پیش آئی۔ تمام اقوام عالم اس عظیم الشان جنگ کے واقعات کو نہایت شوق اور دلی تعلق و تردد کے ساتھ دیکھتی اور نتائج کی منتظر رہی۔ اس جنگ نے قومی جذبات کو اس زور سے حرکت دی جس کی مثال اس سے پہلے نظر نہیں آتی۔ یعنی اس تازہ بیداری و ہوش مندی کی حالت میں لارڈ کرزن کی نامبارک تجویز تقسیم بنگال نے گویا راکھ کے نیچے دبی دبائی چنگاری کو ہوا دیکر مشتعل کر دیا۔ ۵ء کا ہیجان اسی کا نتیجہ تھا۔ قوم اپنے آپ میں آگئی۔ صدیوں کی بیہوشی کے بعد نبض قومی میں حرکت شروع ہوئی اور تمام اعصاب میں جان سی پڑ گئی۔ ہندوستان اپنے آقا کی دست نگری اور غلامانہ اطاعت ہر قسم کی ہدایت کے لیے یورپ کے محتاجی اور نعش جیسے سکون و جمود پر شرم محسوس کرنے لگا۔ غیرتِ نفس کے اس تازہ احساس نے تغیر حال سعی حریت

دعالی حوصلگی، کا تقاضا کیا۔ جدید ہندوستان نے سواراج، سیاسی، اقتصادی اور ذہنی سواراج ؟ کی صدا بلند کی۔ اسی وقت سے سواراج کی تحریک جاری ہی اور روز بروز زیادہ وسیع، زیادہ عمیق اور زیادہ عام ہوتی رہی، یہاں تک کہ آج اس نے تمام ملک کا احاطہ کر لیا ہی اس عرصے میں واقعات عالم تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے رہی جاپان کی سنسنی پھیلا دینے والی فتح کے بعد ہی یکے بعد دیگرے انقلاب چین، جدید ٹرکی کی بیداری، وسط ایشیا اور مشرق قریب میں عالمگیر اتحاد اسلامی کا خمیر، جنگ ٹرکی واٹلی، پھر جنگ بلقان، اور سب کے آخر میں ۱۹۱۴ء کی عالم گیر مصیبت (یعنی جنگ عظیم جو بے سان و گمان بجلی کی کڑک کی طرح دنیا پر دفعۃً نازل ہو گئی) اور اس کا عبرت انگیز بالشویکی انقلاب اور دوسرے حسرت ناک نتائج ساتھ لائی جس کا صحیح اندازہ لگانا ابھی ناممکن ہی) ان قیامت خیز دھماکوں کے صدمے سے ہندوستان کی ایک ایک اینٹ ہل گئی با این ہمہ ہندوستان کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا اور اپنی قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لینے کا عزم اور زیادہ مضبوط اور مستقل ہو گیا۔ ایسی تعلیم گاہوں کا تقاضا زیادہ شدید ہوتا گیا جو ہندوستان کی اپنی روایات اور طرز فکر کے عین مطابق ہو یہ تقاضا پورا کس طرح کیا جائے ؟ اسی مسئلہ کے حل پر ہندوستان کا مستقبل موقوف ہی۔ میں بار بار یہ کہنے سے نہیں تھکونگا کہ قوم کی نجات تعلیم اور صحیح قسم اور صحیح طرز کی تعلیم پر موقوف ہی۔

لفظ "قومی" | "قومی" تعلیم کا لفظ بہت غلط معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہی۔ لفظ "قومی"



ایک [illegible] گمانی کی خاصیت [illegible] ہی کہ جس مفہوم میں چاہا اُسے استعمال کرلیا اکثر اوقات اس کا اطلاق ایسے نظام پر بھی ہوتا ہی جو تعصب و حسد کی بدولت خارجی طرز فکر سے معرّا اور تہذیب کے اُن تمام عناصر سے پاک ہوا جن سے ہمیں روشناس کیا ہی یہ مغربی تہذیب و تمدن سے مقاطعہ کے معنی میں بھی بولا جاتا ہی اور اپنے ملک کی ہر چیز اور ہر خیال پر خواہ کیسا ہی ہو بے سوچے سمجھے مگر نہایت عقیدت کے ساتھ اڑے رہنے کو بھی کہتے ہیں۔ مگر یہ اچھی بات نہیں۔ ہماری قومی زندگی کے حق میں یہ امر ویسا ہی مضر ہی جیسے اور موانع و مفاسد۔ "ہمارا ملک! بر سر حق ہو یا ناحق۔ ہمارا ملک ہی!" یہ فقرہ ایک انگریز کے وردِ زبان تھا جب وہ اپنے ملک کو ایک حسرت انجام جنگ کی آگ میں ڈھکیل رہا تھا۔ ایک مقولہ ہی "جرمنی سب کے اوپر" جو پامرسٹن کے مشہور فقرے کی ترمیم ہی۔ مگر گذشتہ تباہی خیز آرماگیڈن کی بنیاد اسی مقولے کو قرار دیا جا سکتا ہی۔ لہذا لفظ "قومی" کا استعمال جہاں تک ممکن ہو احتیاط کے ساتھ کرنا چاہیے۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوتا۔ ہندوؤں کی ایک با اثر جماعت اسے ویدوں یا کم سے کم راماین اور مہابھارت کے شیریں و خوشگوار عہد کے دوبارہ لوٹ آنے کے ہم معنی سمجھتی ہی۔ مسلمانوں کو یہ کلمہ اسلام کے قرون اولیٰ یاد دلاتا ہی کسی متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ ہندو یا مسلمان سے پوچھ دیکھیے کہ "قومی" کے کیا معنی سمجھتے ہو تو جواب میں خیالاتِ پریشاں اور بے معنی گفتگو سنا پڑے گی۔ مگر یہ قدامت پرستی، یہ محدود قومیت، یہ تمنائے عہد ماضی، ہمارے مرض کا علاج نہیں ہو سکتی ہماری قومی زندگی کا چشمہ اپنے منبع کو واپس نہیں جا سکتا۔ ہماری ترقی دنیا سے بےتعلقی

میں نہیں بلکہ موجودہ ترقی پذیر دنیا کے ساتھ عملی تعلقات میں مضمر ہے۔ ہم مشرق پر مغرب کے اثر سے انکار نہیں کر سکتے اس حقیقت سے شتر مرغ کی طرح چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ گذشتہ کئی صدیوں سے یورپ آگے بڑھتا رہا ہے اور ایشیا اپنی جگہ پر کھڑا رہا ہے حکمت کہیں سے بھی ہاتھ آئے طلب کرنا کوئی ذلت نہیں۔ حکمت و صداقت حدود کی پابند نہیں ہوتی یہ تمام اقوام عالم کا مشترک مال ہے۔ اور جیسا کہ میں ابھی مفصلاً بتا چکا ہوں اسلام کے لیے یہ کوئی نیا نکتہ نہیں۔ خلیفہ المنصور کے عہد حکومت میں ہندوستان کے پنڈت دربار میں مدعو کیے گئے اور انہیں کی مدد سے ہندو آجر دید پر ایک عمدہ کتاب جو کہ مرتب ہوئی اور سدہانتہ کا ترجمہ ہوا۔ محمود غزنوی نے بھی جسے ہند و صرف بے رحم بت شکن کی حیثیت سے جانتے ہیں اپنے دربار کو ہر قوم کے علما فضلا اور شعرا سے آراستہ کر رکھا تھا۔ البیرونی، دقیقی، عنصری اور ملک الشعرا فردوسی دربار غزنوی کے درخشاں ستارے تھے۔ یہ البیرونی ہمہ داں فاضل تھا جو یونانی اور سنسکرت اسی روانی سے بول سکتا تھا جس طرح اپنی مادری زبان وہ ہندو علوم مذہبی کے مرکزی مقام بنارس میں خود علم سیکھتا اور یونانی علوم ریاضی ہندوؤں کو سکھاتا تھا۔

تعلیم کا صحیح طرز یہی ہے۔ قومی کے معنی صرف یہ ہونا چاہئے کہ ان تعلیم گاہوں میں جو نصاب پورا کیا جائے اور جو بصیرت حاصل کی جائے وہ ایسی ہو کہ نوجوانانِ ملک کے دلوں میں ایک قومی عزتِ نفس کا احساس اور قومی خدمت کی طرف دلی رغبت پیدا کر دے ساتھ ہی ایسی تعلیم گاہیں مالی لحاظ سے آپ اپنے پاؤں پر کھڑی ہوں نہ کہ اس غرض کیلئے

حکومت کے دست کرم پر نظر رکھیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ابھی غیر سرکاری ذرائع اتنے کافی موجود ہیں کہ یہ قومی سکول اور یونیورسٹیاں سرکاری مدارس کی جگہ لے سکتی ہیں۔ یہ تو شاید کبھی بھی ممکن نہ ہوگا۔ لیکن ایسی قومی تعلیم گاہیں جتنی زیادہ قائم کی جائیں اتنا ہی بہتر ہے۔ یہ ملک کے سامنے علم و حکمت کے ایسے آزاد مرکز کا نمونہ ہونگی جو ضوابط حکومت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نہ ہوں اور معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی تنوّع سے زندگی میں لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام مصالح کو نظر انداز کر کے محض اسی نقطۂ نظر سے دیکھیں جب بھی اس قسم کی تعلیم گاہیں مثلاً دشوا بھارتی شانتی نکیتان بولپور، سبرامتی آشرم احمد آباد، گروکل اکیڈمی ہردوار، ہندو یونیورسٹی بنارس، اور یہ جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ عظیم الشان فوائد پہنچانے کی قابلیت رکھتی ہیں۔ صرف یہی تعلیم گاہیں سارے ہندوستان کے طول و عرض کے مروّجہ بے جان، بے روح، بے مزہ، غیر متنوع طرز تعلیم کے روح فرسا اور جانکاہ اثر سے ہمیں بچا سکتی ہیں۔

تعلیم اور سادگی ہماری مخصوص قومی تعلیم گاہوں کا اصلی فائدہ یہ ہے کہ ہم ان کو اپنی مرضی کے موافق تیار کر سکتے ہیں۔ دفتری روایات "اور سُرخ فیتے" ہمارے رستے میں مزاحم نہ ہوں گے۔ ہمارے ذرائع معاش محدود اور ہمارا ملک غریب ہے۔ ہمیں اپنا لباس کپڑے کی وسعت کے موافق قطع کرنا ہے۔ ہمیں تعلیم کو اس قدر گراں قیمت نہیں بنانا چاہیے کہ ہماری قوم کے عام طبقہ کی دسترس سے باہر ہو جائے۔ پھر بھی یہ خیال پھیلتا جاتا ہے اور آجکل یہی خیال عام طور سے مقبول ہے کہ یونیورسٹی بنانے کے لیے خطیر رقم مہیا کرنا چاہیے

جو لاکھوں اور کروڑوں تک پہونچتی ہو۔ سر بفلک عمارات اور محلات تعمیر کیے جائیں۔ بیش قرار شاہانہ تنخواہوں کے چند عہدے کرسیاں مخصوص کیجائیں اسکے صدارت کیلیے ایک شاہانہ شان کا وایس چانسلر ہوں جس کی خدمت میں تین چار ہزار روپیہ ماہوار نذرانہ پیش کیا جائے۔ اور یہ حقیقت بالکل فراموش کر دی جائے کہ جو چیز یونیورسٹی کو یونیورسٹی بناتی ہے وہ آدمی ہے علمی اور ذہنی فضا ہے نہ کہ اینٹ اور گچ! اگر تعلیم کے اخراجات ناقابل برداشت ہوئے، اگر عالی شان کمرے اور لکچر ہال اپنی خاموش شوکت و زینت کے ساتھ سنسان پڑے رہیں اگر بیش قرار تنخواہیں پانے والے کرسی نشیں خالی بنچوں کے آگے اپنی فصاحت و بلاغت کے موتی بکھیر رہے ہوں تو کیا حاصل ہے جواب دیا جاتا ہے کہ تعلیم غربا کے لیے نہیں ہے۔

میں کچھ مبالغہ نہیں کر رہا ہوں۔ حکومت کے معتمد عہدے دار سر سنکرن نائر سابق وزیر تعلیمات ہند نے جو لکھا تھا ملاحظہ فرمایے:-

"فیس اس قدر بڑھا دی گئیں کہ اس طبقہ کا لحاظ کرکے جو سکولوں میں تعلیم پاتا ہے حد اعتدال سے بہت متجاوز ہیں۔ جب یہ عذر کیا گیا کہ فیس کی اقل رقم بھی غریب کے لیے سخت مصیبت کا باعث ہوگی تو جواب یہ دیا گیا کہ ایسے طلبہ کو ایسی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ غیر سرکاری مدارس کے منتظمین جو جزواً یا کلاً فیس معاف کیا کرتے ہیں وہ سرکاری امداد کی تخفیف سے سخت پریشان ہو رہے ہیں بے شبہ ان قواعد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم کی متوقع عمومیت و وسعت تنگ ہو گئی۔ ثانوی تعلیم کا

غیر تشفی بخش نوعیت اور رفتار کا اصلی سبب یہی ہے۔ اور اس کا چارہ کار نا ممکن ہے تاوقتیکہ یا ہم اپنے بچوں کو آپ تعلیم دینے کو تیار نہ ہو جائیں یا غیر سرکاری مدارس کو اتنی کافی امداد نہ دیں کہ وہ قابل معلّم مقرر کر سکیں۔ فی الحال ہم ان دو باتوں میں سے ایک کے لیے بھی تیار نہیں۔ اس نصب العین کے موافق انگریزی تعلیم صرف خوش حال طبقوں میں محدود رہے گی۔"

یہ خیال کہ تعلیم غربا کے لیے نہیں بلکہ امرا کے لیے ایک سامان تعیش ہے نہایت رکیک ہے۔ ہم اہل مشرق کبھی اسے گوارا نہیں کر سکتے۔ ہماری تمام روایات اسکی مخالف ہیں۔ ہماری روایت ہمیشہ سے یہی ہے کہ عالم مفلس ہوتا ہے۔ سرسوتی جی (علم کی دیوی)، کو لچھمی جی (دولت کی دیوی) سے ہمیشہ بیر رہا ہے۔ ہماری روایت تو تپو بن کی ہے جہاں قدرتی جنگلوں کے سایہ دار درختوں کے نیچے تارک دنیا غریب برہمن بلا فکرِ فردا اپنے تشنۂ علم شاگردوں کو علوم مقدس کی تعلیم دیا کرتا تھا "معاشرت سیدھی سادی اور خیالات بلند"، ہمیشہ ہی مشرق کا نصب العین رہا ہے اور اسلام بھی یہی اصول سکھاتا ہے۔ جب بیزنطینی بادشاہ ہرقل نے ایک معاہدہ کی گفتگو کے لیے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تو اُنکو اس مقتدر خلیفہ کا پتہ نہ ملا۔ آخر مسجد مدینہ کی سیڑھیوں پر مسکینوں کے ساتھ سوتا پایا۔ ان کی سادگی کی یہ انتہا تھی آج بھی جامع ازہر قاہرہ میں اگر میری اطلاع صحیح ہے تو، تین چار ہزار طلبہ چٹائی کے فرش پر دو زانو بیٹھکر اپنے اساتذہ سے سبق لیتے ہیں۔ ہمیں اس نصب العین پر قائم

رہنا چاہئے۔ اکسفورڈ اور کیمبرج مع اپنے گراں بہا لوازمات کے ہمارے لیے مفید نہیں ظاہری ساز و سامان، اثاثہ اور آلات کے شوق و ہوس میں ہمیں اصل جوہر کو نہ کھو بیٹھنا چاہئے۔ ہم اپنی سرسوتی ماتا کو لکڑی اینٹ اور گچ کے بھاری بوجھ کے نیچے دبا کر اس کا دم گھونٹنا گوارا نہیں کر سکتے۔

میں تو اس سے بھی آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ اگر ممکن ہو تو اپنے قدیم طریق تعلیم روایات برہمچاریہ کو جاری کر دوں۔ یہ وہ زاہدانہ تربیت تھی جس نے مردانہ اور خوددارانہ [illegible] کی بنا ڈالی اور نوجوانوں کو ان کی آئندہ زندگی میں اسّی اسّی سال تک ہر طوفان حیات مقابلہ کرنے کی طاقت بخشی۔ میری خواہش ہے کہ طلبہ تمام عیش و آرام ترک کر دیں، گھر کا بنا ہوا کھدر پہنا کریں۔ اپنا کھانا آپ پکائیں۔ اپنے کمروں میں آپ جھاڑو دیں، اپنے برتن آپ صاف کریں اپنے کپڑے آپ دھوئیں۔ ہر چیز صاف ستھری رکھیں سادہ معاشرت کی شدید ضرورت کے متعلق میں اپنے قومی مجدّد مہاتما گاندھی سے بالکل متفق ہوں۔

حکومت کی مسرفانہ روایات کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ہم محیر العقول کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم کرنا بھی چاہیں۔ اور ہم چاہیں یا نہ چاہیں، اب جبکہ گورنمنٹ کا دوالہ نکلا چاہتا ہے اور دیوالہ ماننے ہی کو ہے ہمیں آپ اپنے سر پر قومی تعلیم کا بار لینا ہی پڑیگا آپ سب صاحبوں نے بنگال کی کمیٹی تخفیف اخراجات کی تجاویز سُنی ہونگی۔ آئندہ ہمارے لیے کیا ہونے والا ہے اس کا اندازہ ان سے کیا جا سکتا ہے بلکہ اب بھی

حکومت بنگال کی تعلیم کے لیے پندرہ فیصدی اور کلکتہ یونیورسٹی کے لیے آٹھ فیصدی کی حقیر رقم سے زیادہ نہیں دیتی۔ اور ہمارے گورنر صاحب بہادر ہز ایکسلنسی لارڈ لٹن آج کل خود اعتمادی کے اوصاف و محاسن پر وعظ سنایا کرتے ہیں۔ واقعی ترک موالات کے معتقد بھی عجیب و غریب حلقوں میں پیدا ہوتے ہیں! مگر قومی کارکنوں کیلئے آفت ایک درپردہ نعمت ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم جرات اور استقلال سے ایک دستور العمل پر کاربند ہو جائیں۔

قومی مدارس و اصول تعلیم ان قومی تعلیم گاہوں میں ہمیں طلبہ کی اپنے مقدور بھر بہترین تربیت کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے ان کو "یک طرفہ" یا مخصوص نہ بنانا چاہیے ہمیں محض ذہنی اور ادبی تعلیم دینا نہیں چاہیے جس نے ہمیں دنیا کے کام کا نہ رکھا ہزاروں نوکریوں کے بھوکے پیدا کر دیے اور ہمارے سکولوں کو "غلام خانہ" کی پھبتی کا مورد بنا دیا۔ آداب و اخلاق کی تعلیم کے ساتھ جس سے کسی طرح غفلت نہیں کی جا سکتی سائنس، صنعت و حرفت اور کاروبار کی تعلیمات کا انتظام بھی کرنا چاہیے جن کی بدولت ہمارے بچے فراغت کے بعد تجارت اور صنعت و حرفت کے پیشوں میں قدم رکھ کر آزادانہ وجہ معاش حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ہمیں موسیقی، مصوری، شاعری اور دوسرے فنون لطیفہ کی ترغیب سے اپنے ہاں کی تعلیم کو زیادہ کامل، وسیع اور خوشگوار و مرغوب بنانا چاہیے۔ ان کمالات کے لحاظ سے موجودہ ہندوستان کی حد سے زیادہ سادہ و بے کیف معاشرت بہت ناقص ہے۔ ہمیں اپنے بچوں میں جرات

وبسالت کے مردانہ کھیلوں اور تفریحوں کا شوق پیدا کرنا چاہیے جس نے مغرب کو کمالاتِ پرواز، مہماتِ قطبی اور ایورسیٹ میں کامیاب بناکر موجودہ رُتبہ بخشا ہے یہی چیز اس مفلوک وناتواں قوم کو دلیر آدمیوں کی ایک قوم بنا سکتی ہے ہمیں اپنے نوجوانوں کی تربیت حقیقی سپاہیانہ طریق پر کرنا چاہیے۔ ہمیں لازم ہے کہ ان کو جسمانی اعتبار سے طاقتور اور منچلا بنادیں۔ اُن کو جسم اور مزاج دونوں لحاظ سے کامل سپاہی بنادیں۔ تاکہ انگریزوں کا یہ طرز جس کا بار بار ہمیں مورد بنایا جاتا ہے ہمیشہ کے لیے باطل ہوجائے کہ ہندوستان اپنے لیے تو سوراج کا خواہاں ہے لیکن اپنی مدافعت کے لیے انگریزوں کی سنگینوں کا محتاج ہے۔ اگر ہم اپنے قدرتی ذرایع کو ایک ایسی نسل انسانی کے ساتھ ترکیب دے سکیں جس کا جسم طاقتور، دماغ آزاد اور دل باہمت ہو تو ہمارا مستقبل بلاشبہ شاندار ہو جائے عالم عقبی کا ذکر کرتے ہوئے گولڈسمتھ کا یہ نوحہ کہ" صرف انسان ہی وہ جنس ہے جو یہاں فنا ہو جاتی ہے"، مجھے اکثر یاد آتا رہتا ہے اور بعض وقت مجھے مایوس کر دیتا ہے۔ اگر ہم انسان کو وہ بنا سکتے جو اسے ہونا چاہیے تو ہماری تمام پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

میرے مسلمان دوستو! میرا خیال ہے کہ انسان بنانے کے معاملے میں اسلام کو بہت بڑا حصہ لینا ہے۔ اسلام کی صدا جمہوریت ہے، مغرب کی وہ نقلی اور جھوٹی جمہوریت نہیں جسے نسل، رنگ اور دولت کے امتیازات نے بے معنی اور احمقانہ بنا رکھا ہے بلکہ خالص و حقیقی جمہوریت لیکن ہم ہنوز اس لحاظ سے بہت نقصان میں ہیں ہماری

معاشرت ذات پات کی پیچ در پیچ تقسیموں سے طول اور عرض میں سیدھی اور آڑی اور خدا جانے کس کس طرح قطع ہو گئی ہے اور اب دھجیاں ہو کر منتشر ہو گئی ہے۔ آپ کسی ہندو مندر میں جائیے تو مختلف فاصلوں کے باقاعدہ منضبط مدارج دیکھیں گے جہاں تک مختلف ذاتوں کی رسائی کی حد مقرر ہے۔ لیکن جب کسی مینار کی چوٹی سے موذن کی اذان نماز کے لیے صلائے عام دیتی ہے تو امیر اور فقیر، بادشاہ اور بہشتی ہر طرف سے سمٹکر جمع ہو جاتے ہیں اور شانوں سے شانے ملا کر اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اسلام آدمی آدمی کے درمیان روح فرسا امتیاز سے آشنا نہیں۔ صرف ایک برتر ہستی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو تسلیم نہیں کرتا۔ انسان کو اس کے پورے قد و قامت تک پہنچنے اور ہاتھ پاؤں پھیلانے کا موقع دیتا ہے۔ یہی مساوات اخوت، جمہوریت، اور محبت، اسلام کا پیغام ہے۔ خدا کرے یہ جمہوری روح ہندوستان کی کل نسلوں، طبقوں، جماعتوں اور رنگوں میں نفوذ کر کے اسے ایک متحد، ٹھوس توانا، مردانہ، اور ایک آزاد قوم بنا دے جو ایشیا کے لیے مایۂ فخر اور دنیا کے لیے مایۂ عبرت ہو۔ اگر ایک طرف اپنی آزادی کی لذت کرے تو دوسری طرف دنیا کی ضعیف نسل اور ناتواں اقوام کے لیے توانائی اور پشت پناہی کا باعث ہو۔

بندے ماترم

بفضلِ خدا

مطبع جامعہ مِلّیہ اسلامیہ علی گڑھ

جو لیتھو، ٹائپ، ہندی، اُردو، انگریزی، اور بالخصوص عربی کا بہترین پریس ہی ہر قسم کی چھپائی کے کام کیلیے تیار ہی بہترین طباعت و نقاشی وکتابت کے نمونے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ تجارتی اغراض کے کل بل ومیمو ورسیدات وغیرہ بہترین نمونہ کے طیار ہوتے ہیں اور کام وقت پر دیا جاتا ہی اور نہایت مناسب اُجرت لی جاتی ہی۔

جامعہ

جامعہ مِلّیہ اسلامیہ علیگڑہ کا ماہواری علمی رسالہ جو مولوی نور الرحمن صاحب کے زیر ادارت شائع ہوتا ہی۔ قیمت سالانہ للعہ

المشتہر

مہتمم مکتبہ جامعہ مِلّیہ اسلامیہ علیگڑھ

جامعہ

جامعہ ملیہ کے شعبہ تصنیف وتالیف کی زیر نگرانی جنوری ۱۹۲۳ء سے ایک ماہوار علمی رسالہ ۲۰×۲۶ پیمانہ پر کم از کم ۶۴ صفحہ کے حجم میں اعلیٰ کاغذ کتابت وطباعت کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور جو اپنے بلند پایہ علمی مضامین و قابل قدر مقالات سیاسی کے علاوہ ادبیات و مطبوعات جدیدہ کے لیے خاص طور پر مشہور ہے اور تھوڑے عرصہ میں اس نے ملک کے علمی رسائل میں ایک ممتاز درجہ حاصل کرلیا ہے جامعہ ملیہ کی سرگرمیوں اور قومی تعلیم کی موجودہ رفتار کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے بھی رسالہ "جامعہ" کا مطالعہ فائدہ اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

قیمت بہرحال بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں فائدہ اور سہولت ہے چندہ پیشگی چار روپیہ سالانہ۔ نمونہ ۶ر کا ٹکٹ بھیجکر منگوایا جا سکتا ہے

مہتمم شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ ملیہ علیگڑھ

سے طلب فرمائیے